سید محمد معاویہ بخاری

صرف اقتدار کے لیے!

اہل پاکستان سوگوار ہیں، پریشان ہیں مگر بے بس ہیں۔گزشتہ چند روز کے دوران جو کچھ ہو چکا اور جو آئندہ ہونے جا رہا ہے، وطن عزیز کا ہر باشندہ انھی پیش آمدہ حالات کے آسیب میں جکڑا ہوا ہے۔ بات میڈیائی تجزیوں تبصروں سے کہیں آگے نکل گئی ہے لیکن جہاں فیصلے ہوتے ہیں یا آئندہ ہونے ہیں، وہاں صورت حال یہ ہے کہ اوّل و آخر ذاتی انا اور حرصِ اقتدار غالب آ چکی ہے۔ سوچنے سمجھنے کے عمل سے مطلق انکار کیا جا چکا ہے۔ ساری توانائیاں جس نکتے پر صرف ہو رہی ہیں۔ ساری منصوبہ بندیاں جس نہج پر کی جا رہی ہے، وہ معاملہ صرف طولِ اقتدار سے منسوب ہے۔ کسی بھی قیمت پر تحفظِ اقتدار کا فارمولا بے شک نیا ہرگز نہیں ہے۔ لیکن گڈ گورنس کے سات برسوں میں عوامی ترقی و خوشحالی اور عوامی فلاح و بہبود کے عنوان سے طرزِ حکمرانی کی جو چند نئی مہلک جہتیں متعارف ہوئی ہیں، وہ منفرد اس اعتبار سے ضرور ہیں کہ پاکستانی قوم ایک ایسے قبضہ گروپ کے شکنجے میں آ پھنسی ہے، جس نے ایوانِ صدر سے پارلیمنٹ تک، عدالتِ عظمیٰ کے کٹہرے سے رئیل سٹیٹ بزنس تک، سٹاک ایکسچینج سے سیمنٹ فیکٹریوں تک، شوگر ملوں سے گھی انڈسٹریوں تک اور پٹرول سے گندم تک اپنے خونی پنجے گاڑ رکھے ہیں۔ بے عدلی اور بے رحمی پر مبنی ان کا منشور یُوں ایسا ہے کہ بے چارگانِ وطن غصب شدہ حقوق پر آہ و زاری نہیں کر سکتے۔ احتجاج کرتی زبانیں خاموش کرا دی جاتی ہیں، حرفِ تنقید لکھنے والے ہاتھ قلم ہو جاتے ہیں، بیعتِ قابیل نہ کرنے والے شوریدہ سر باغی کہلاتے ہیں اور اسی جرم کی پاداش میں ان کی پرامن بستیاں ریاست کی ہولناک اور اندھی قوت سے نابود کر دی جاتی ہیں۔

حکم یہ صادر ہوا ہے کہ صرف حسنِ جاناں کے قصیدے لکھو ورنہ حکمِ اطاعت سے انحراف کی سزا کیا ہو سکتی ہے؟ یہ کوئی ایڈیشنل رجسٹرار سپریم کورٹ حماد رضا سے پوچھے۔ آہ یہ کیسی بے بسی اور کسمپرسی کا عالم ہے کہ شکستہ دلوں کا مسیحا کوئی نہیں رہا، لہو روتی آنکھوں کا ماجرا اب کسی تک نہیں پہنچتا، بے رحم فیصلوں کی تپش میں جھلستے لوگ اپنے زخموں کا مرہم تلاش کرتے مایوس ہو چلے ہیں۔ مقتدروں کو اس سے کوئی غرض نہیں کہ ۱۲ مئی کو کراچی میں کیا ہو رہا تھا۔ ۴۲ لاشیں اٹھنے کے آٹھ گھنٹے طویل لہو رنگ دورانیہ میں اسلام آباد کی شاہراہِ دستور ڈھولوں کی تھاپ سے گونجتی رہی، بھنگڑے ڈلتے رہے، انسان اور گھوڑے یک جان ہو کر ناچتے رہے، استحکامِ پاکستان کے نام سے ہونے والی بلٹ پروف ریلی کے عقب سے مٹھّیاں بھینچ کر چیختے چنگھاڑتے نورتنوں کا سجایا ہوا میلہ ”ظلِ الٰہی“ کا قربِ خاص حاصل کرنے کا عدیم النظیر مظاہرہ تھا۔ کس کے جوہرِ خطابت کو دادِ شاہی میسر آئی، کون کتنا سرخرو ہوا، کس کے شانوں پر تحسین کے دوشالے اوڑھائے گئے اور کس کے سینے پر یارِ وفادار کا تمغہ آویزاں ہوا، گھروں میں مقید سہمی ہوئی عوام کو اس سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ وہ تو یہ دیکھتے رہے کہ بازی گروں نے کراچی اور اسلام آباد میں کیسے ہوش رُبا کرتب دکھائے اور ”ظلِ الٰہی“ سے اپنے کمالِ فن کی داد وصول کرتے رہے۔

معروف سیاسی رہنما، صحافی اور مجاہدِ آزادی شورش کاشمیریؒ نے ۴۵ برس قبل شاید کچھ ایسے ہی حالات کا مرثیہ لکھتے ہوئے اقتدار اور اہل اقتدار کی جو کیفیتیں رقم کی تھیں وہ آج بھی زندہ معلوم ہوتی ہیں:

''سیاسی لقندروں اور سماجی مچھندروں کی اکثریت ہر لحظہ کورنش بجالانے کو تیار رہتی ہے۔ ان کا مقصدِ حیات صرف اقتدار کی ہم نوائی ہے۔ اقتدار پیغمبر کے ہاتھ میں نہ ہو تو یہ اس کا ساتھ بھی نہ دیں۔''

وزیروں، مشیروں پر مشتمل نورتنوں کے ٹولے اور خود عزت مآب ''ظلِ الٰہی'' نے بھی سارا زورِ خطابت ریلے اور ریلیوں کا فرق بتانے میں صرف کر دیا۔ حالاں کہ اس وقت شہرِ قائد آہوں اور سسکیوں میں ڈوبا ہوا تھا، رعنا جوانوں کی ادھڑی ہوئی لاشوں پر ہولناک چیخ و پکار سن کر سوائے مقتدروں کے پورے ملک کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے۔ مگر فرمانِ شاہی تھا کہ جھولا جھلاؤ۔ مجھے یقین ہے کہ ۱۲ مئی کو شاہراہِ دستور پر جمع ہونے والا دیہاڑی دار مجمع، ریلے اور ریلیوں کی بے ترتیب تشبیہات سن کر خوب محظوظ ہوا ہوگا۔ ''ظلِ الٰہی'' کو فخر تھا کہ عوام کا ''ٹھاٹھیں مارتا سمندر'' صرف ان کے دیدار کی تجلیاں سمیٹنے ہی بارگاہ میں پیش ہوا تھا۔ انھوں نے برملا کہا جو طاقت دکھانا چاہتے ہیں' انھوں نے کراچی میں ہماری طاقت دیکھ لی اور یہاں اسلام آباد میں موجود عوام کا سمندر بھی ہماری طاقت کا فقید المثال مظاہرہ ہے۔ ظلِ الٰہی کے بقول یہ ہے عوام کی طاقت..... یہ ہے رائے عامہ..... جو مکمل طور پر میرے ساتھ ہے۔ یہ عارفانہ کلمات سنتے ہوئے مجھے ابوالکلام آزاد کے الفاظ یاد آ گئے۔ انھوں نے کہا تھا کہ ''میں نے اپنی زندگی میں رائے عامہ سے زیادہ ناپائیدار کوئی چیز نہیں دیکھی۔'' رہ گئی بات عوامی سمندر کی تو یاد رکھنا چاہیے کہ سمندر کسی کی پیاس نہیں بجھاتا۔ اس سے فصلوں کو سینچا جا سکتا ہے، نہ ہی کوئی خوانِ نعمت پکانے کی اُس میں صلاحیت ہے۔ سمندر تو بس دیکھنے اور سفر کرنے کی چیز ہے۔ کبھی مہرباں ہو تو نظارے کی مہلت بھی دیتا ہے اور کبھی مزاج برہم ہو تو سب کچھ اپنے ساتھ سمیٹ لے جاتا ہے۔ سمندر پر تیرتی بے خبر ناؤ کبھی نہیں جان سکتی کہ اُسے ڈبونے کے لیے کون سا مقام اور کون سا لمحہ اُس نے منتخب کر رکھا ہے۔ سمندر بہ ظاہر جیسا دکھائی دیتا ہے' اپنی سرشت اور سلوک میں وہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ لیکن اقتدار کی طاقت اور اس کا نشہ حکمرانوں کو عوامی سمندر کی اصلیت جاننے کی مہلت نہیں دیتے۔

مقتدروں کی مدہوشیوں پر شورش کاشمیری نے اپنے طویل سیاسی، صحافتی تجربہ کی روشنی میں کتنا درست تجزیہ کیا تھا کہ اقتدار کسی کا ساتھی نہیں۔ دوستوں کا دوست تو کیا ہوگا خود اپنا دوست نہیں۔ جو لوگ اقتدار کی ناؤ پر کسی طرح سوار ہو جاتے ہیں' وہ نہ جانے کیوں بھلا دیتے ہیں کہ یہ ناؤ انتہائی نامعتبر اور بہت جلد ڈوب جانے والی ہے۔ سلطنتوں کا جاہ و جلال، وزارتوں کا عروج و کمال، نازنینوں کا حسن و جمال یہ سب چیزیں اتنی بے اعتبار ہیں کہ ان کے بھروسے پر زندگی کا نظم تشکیل نہیں دیا جا سکتا۔ حکومت ایک ہزار شیوہ نازنین ہے۔ اس نے کبھی اور کسی سے وفا نہیں کی۔ یہ آج ایک کی ہے تو کل دوسرے کی اور پرسوں تیسرے کی۔ کاش! کوئی ذی شعور اس عقدۂ لاینحل کا سراغ بھی لے آتا کہ عقل و دانش کے خداوند کہلانے والے معلوم حقیقتوں سے راہِ فرار کیوں اختیار کر لیتے ہیں۔ اپنی حکومتوں کی بقا کے لیے حریصانِ اقتدار کیا کچھ کر گزرتے ہیں۔ یہ ہولناک کہانیاں بہت کم منظرِ عام پر آتی ہیں۔ طاقت کی یہ خصوصیت ہمیشہ سے مسلم چلی آئی ہے کہ وہ اپنی اولاد کو بھی کھا جاتی

اور باپ تاج محل کا معمار ہی کیوں نہ ہو اُسے بھی قید میں ڈالنے سے نہیں چوکتی۔ کراچی میں جو کچھ ہوا وہ ان تاریخی جملوں کی حقانیت ثابت کرنے کے لیے کافی ہے۔ اقتدار کا خاصہ ہے کہ سنتا نہیں خود سر ہوتا اور انا ربکم الاعلیٰ کا نعرہ بلند کرتا ہے۔ وہ بھول جاتا ہے کہ تکوینی ضابطے کے مطابق انسان جو بوتا ہے وہی کاٹتا ہے۔ ہماری ساٹھ سالہ تاریخ گواہ ہے کہ فرماں رواؤں نے اپنے بے ہنگم سیاسی وجود کو منوانے کے لیے بڑے بڑے جھوٹ بولے ہیں۔ رائے عامہ کو اطلس و کم خواب مہیا کیے جانے کے وعدہائے پرفریب سے اپنے جال میں پھانسا ہے۔ لوگ ابھی تک ورطۂ حیرت میں ہیں کہ مقتدروں نے خود کو کس کس بہروپ میں پیش کیا۔ فساد فی الارض کی بین علامتیں کس طرح خود کو امن خواہ، عوام دوست، ملک و قوم کا نگہبان اور عادل منصف ثابت کرنے پر تلی ہیں۔ خیر و شر کی کشمکش میں کئی نیکیاں صرف اس لیے دفن ہو گئیں کہ ان کا پرسان حال کوئی نہ تھا اور کئی بدیاں اس لیے فروغ پاتی رہیں کہ ان کے ہاتھ میں تلوار تھی۔ انسان وہ ہے کہ ہاتھ میں طاقت ہو تو زمین کی طرح متحمل، صبا کی نرم اور شیشہ کی طرح مجلیٰ ہو اور ہاتھ میں طاقت نہ ہو یعنی مصیبت آ جائے تو پہاڑ کی طرح بلند، مرمر کی طرح تند اور فولاد کی طرح سخت ثابت ہو۔ ایک متوازن انسان کے لیے اصل چیز خدا کا خوف ہے، اقتدار نہیں۔ اقتدار تو ڈھلتی پھرتی چھاؤں ہے۔ بقول مولانا ظفر علی خاں جو لوگ اقتدار سے اندھے ہو جاتے ہیں اور انھیں یمین و یسار کچھ نہیں سوجھتا وہ لازماً ایک دن لڑھک جاتے ہیں۔ انسان اپنی بقا کے لیے کیا کچھ نہیں کرتے لیکن جب دن گنے جاتے ہیں اور وقت موعود تمام حفاظتی حصاروں کو توڑتا پھلانگتا آ دبوچتا ہے تو پھر کوئی سی فوج ظفر موج بھی دم آخر کو سہارا نہیں دے سکتی۔ جب بھونچال آتا ہے تو بت کدوں اور مے خانوں کے ساتھ مسجدیں اور خانقاہیں بھی ڈھے جاتی ہیں۔ یہی معاملہ اقتدار کے زوال کا ہے۔ جب تک اقتدار قائم رہے۔ لوگ سرگوشیاں کرتے، افواہیں پھیلاتے اور کہانیاں اڑاتے ہیں۔ جب اقتدار کا سنگھاسن ڈولتا ہے تو تحریک چلتی اور لہریں اٹھتی ہیں۔

۱۲ مئی کا واقعہ کسی تحریک کا عنوان بنے یا نہ بنے مگر اس نے حکمرانوں کے عزائم ضرور واضح کر دیئے ہیں۔ چیف جسٹس افتخار محمد چودھری کی کراچی آمد کوئی مشکل مرحلہ نہیں تھا جسے وفاقی و صوبائی حکومت نے اپنی انا کا مسئلہ بنا لیا۔ حیدر آباد، پشاور اور لاہور میں ان کی آمد تاریخی نوعیت کی حامل تھی۔ ہزاروں انسانوں کا جم غفیر موجود رہا مگر کسی عمارت یا کسی شخص پر ایک کنکر نہیں اچھلا۔ آخر کیوں؟ کراچی آمد کے موقع پر بھی اسی ظرف کا مظاہرہ ہونا چاہیے تھا۔ تدبر، تحمل اور بردباری کے الفاظ اگر کوئی معنوی اور عملی حیثیت رکھتے ہیں تو ان سے بھرپور استفادہ کیا جا سکتا تھا۔ ماؤں کے لختِ جگر ۴۲ قیمتی جانیں شاید بچائی جا سکتی تھیں۔ لیکن سب نے دیکھا کہ تقدیر تو موجود رہی مگر تدبیر کا سایہ تک بھی دستیاب نہ تھا۔ اگر ۱۳ مئی کو رینجرز اور پولیس کے ادارے اچانک ہی فعال ہو کر حفاظتی حصار بنا سکتے ہیں تو ۱۲ مئی کا دن اس حکم نامے سے کیوں محروم رہا۔ کیا اپنے اقتدار کی طاقت ثابت کرنے کے لیے کراچی کی شاہراہوں کو مقتل گاہوں میں تبدیل کرنا لازمی تھا؟ کیا اسلام آباد میں استحکام پاکستان میلہ سجانا ضروری تھا اور وہ بھی صرف اپنی قوتِ قاہرہ کے اظہار کے لیے صرف اپنے اقتدار کی دھاک بٹھانے کے لیے؟